﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾

﴿وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

تَبْرِئَةُ الْأَصْحَاب

عَمَّا نُسِبَ إِلَيْهِمْ مِنْ تَحْرِيْقِ الْبَاب

تصنیف:

مفتی محمد چمن زمان نجم القادری

Serial No: 0011 تاریخ: 18-01-2023

تبرئة الأصحاب
عما نسب إليهم من تحريق الباب

سوال:

حضرت رہنمائی فرمایئے۔ایک شیعہ نے مجھ سے کہا کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے خاتون جنّت سلام اللہ علیہا کا در جلایا۔
آپ کی رہنمائی درکار ہے۔

الجواب
بعون الملک الوہاب

حمدا لک یا اللہ صلوۃ وسلاما علیک وعلی آلک یا رسول اللہ

عرضِ جواب سے قبل واضح ہو کہ: اس قصہ کا تعلق ان امور سے ہے جن کو شیعہ حضرات کے ہاں نہ صرف قبول عام وتام حاصل ہے بلکہ اس قسم کے معاملات پر ہی بیشتر شیعہ نظریات کی بنیادیں کھڑی ہیں۔اور شیعہ حضرات فقط دروازہ جلانے تک کی بات نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ اور بہت سی باتیں ملاتے ہیں۔ جیسے حضرت سیدنا عمرِ فاروق کی جانب سے سیدۂ کونین علیہا السلام کو اذیت پہنچایا جانا۔ اور ایسی ایسی باتیں کہ جنہیں کوئی ہوشمند قبول نہیں کر سکتا۔

ان باتوں اور قصوں کا بنیادی مقصد رسول اللہ ﷺ کے عظمت والے صحابہ جو قرآن وسنت کے بنیادی راوی ہیں، انہی کو غیر عادل قرار دے کر پوری شریعتِ اسلامیہ کو مشکوک اور ناقابلِ اعتبار واعتماد بنانے کی سعیِ مذموم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابوزرعہ رازی ایسے لوگوں کو زندیق کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی متوفی 463ھ نے اپنی سند سے روایت کیا۔ امام ابوزرعہ رازی کہتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زِنْدِيقٌ ، وَذَلِكَ أَنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَنَا حَقٌّ ، وَالْقُرْآنَ حَقٌّ ، وَإِنَّمَا أَدَّى إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَنَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَإِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يُجَرِّحُوا شُهُودَنَا لِيُبْطِلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ ، وَالْجَرْحُ بِهِمْ أَوْلَى وَهُمْ زَنَادِقَةٌ

جب تم کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ اور یہ اس لیے کہ: ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ قرآن حق ہے۔ اور ہم تک اس قرآن اور سننِ مصطفی ﷺ کو پہنچانے والے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ (شیعہ حضرات) چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو ہی مجروح قرار دے دیں

تاکہ کتاب وسنت کو باطل کر سکیں۔ حالانکہ یہ لوگ خود جرح کے زیادہ حقدار ہیں اور وہ زندیق ہیں۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص49)

رہی بات اس قصہ کی تو یہ ان جھوٹوں کا مجموعہ ہے جنہیں تا صبحِ قیامت ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیلات کے لیے کتبِ عقائد کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں اس قدر ذکر کرنا کافی ہو گا کہ: شیعہ حضرات کے ہاں سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب کا شمار اس قصہ کے اولین مآخذ میں ہوتا ہے۔

مذکورہ قصے کی سند اور بعض مندرجات:

سلیم بن قیس کی کتاب کے صفحہ 385 پر اس قصہ کی سند بدیں الفاظ مذکور ہے:

أبان بن أبي عياش عن سليم بن قيس قال: كنت عند عبد الله ابن عباس في بيته ومعنا جماعة من شيعة علي عليه السلام فحدثنا فكان فيما حدثنا أن قال۔

ابان بن ابی عیاش راوی سلیم بن قیس سے۔ کہا: میں حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس ان کے گھر میں موجود تھا اور ہمارے ساتھ شیعانِ مولا علی علیہ السلام کی ایک جماعت موجود تھی۔ پس حضرت عبد اللہ بن عباس نے ہمیں بتایا۔ جو کچھ ہمیں بتایا اس میں سے یہ بھی تھا کہ کہا۔۔۔

اس سند کو بیان کر کے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ہونے والے واقعات کو اپنے انداز میں بیان کرنا شروع کیا۔ اسی بیچ کہا:

ثم دعا عمر بالنار فأضرمها في الباب فأحرق الباب، ثم دفعه عمر. ضرب الصديقة الطاهرة عليها السلام فاستقبلته فاطمة عليها السلام وصاحت : (يا أبتاه يا رسول الله) فرفع السيف وهو في غمده فوجأ به جنبها فصرخت. فرفع السوط فضرب به ذراعها فصاحت : (يا أبتاه)

پھر حضرت عمر نے آگ منگوائی اور اسے سیدۂ کونین علیہا السلام کے درِ اقدس میں سلگا دیا اور دروازہ مقدسہ کو جلا ڈالا۔ پھر حضرت عمر نے انہیں دھکا دیا تو سیدۂ کونین سیدہ فاطمہ زہراء علیہا السلام حضرت عمر کے سامنے آئیں اور چلائیں: اے ابا جان! اے اللہ سبحانہ وتعالی کے رسولِ گرامی۔۔۔!!!

پس حضرت عمر نے تلوار اٹھائی جو غلاف میں تھی اور سیدۂ کونین کے پہلو میں دے ماری جس سے سیدۂ کونین کی چیخ نکل گئی۔ پھر حضرت عمر نے چھڑی اٹھائی اور اس سے سیدۂ کونین علیہا السلام کے بازو اقدس پہ مارا تو سیدہ پاک سلام اللہ تعالی علیہا نے چیخ کر پکارا: اے ابا جان۔۔۔!!!

(کتاب سلیم بن قیس ص387)

صفحہ نمبر 428 پہ" إخبار رسول الله صلى الله عليه وآله عن مصائب أهل بيته في آخر عمره المبارك" یعنی: " رسول اللہ ﷺ کا اپنی عمرِ مبارک کے آخر میں اپنے اہلِ بیتِ پاک کے مصائب کی اطلاع دینا" کے عنوان کے تحت درج ہے:

ثم أقبل على ابنته فقال: إنك أول من يلحقني من أهل بيتي، وأنت سيدة نساء أهل الجنة. وسترين بعدي ظلما وغيظا حتى تضربي ويكسر ضلع من أضلاعك. لعن الله قاتلك ولعن الآمر والراضي والمعين والمظاهر عليك وظالم بعلك وابنيك.

پھر رسول اللہ ﷺ اپنی لختِ جگر علیہا السلام کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: میرے اہل بیت میں سے مجھ سے ملنے والوں میں سے تم سب سے پہلی ہو۔ اور تم جنتی عورتوں کی سیدہ ہو۔ اور تمیں میرے بعد ظلم اور غصہ کا سامنا ہو گا حتی کہ تمہیں مارا جائے گا اور تمہاری پسلیوں میں سے ایک پسلی توڑ دی جائے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالی کی تمہیں شہید کرنے والے پر لعنت ہو۔ اور حکم دینے والے، راضی ہونے والے، مدد کرنے والے، تمہارے خلاف ساتھ دینے والے، تمہارے شوہر اور تمہارے بیٹوں پر ظلم کرنے والے پہ اللہ سبحانہ وتعالی کی لعنت ہو۔

(کتاب سلیم بن قیس ص428)

صفحہ 223 پہ ہے:

قال أبان: قال سليم: فلقيت عليا عليه السلام فسألته عما صنع عمر، فقال: هل تدري لم كف عن قنفذ ولم يغرمه شيئا؟ قلت: لا. قال: لأنه هو الذي ضرب فاطمة عليها السلام بالسوط حين جاءت لتحول بيني وبينهم، فماتت صلوات الله عليها وإن أثر السوط لفي عضدها مثل الدملج.

ابان نے کہا کہ سلیم کا کہنا ہے: میں مولا علی علیہ السلام سے ملا تو میں نے ان سے حضرت عمر کے کارنامہ کے بارے میں پوچھا۔ مولا علی نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عمر نے قنفذ سے اجتناب کیوں کیا اور ان پہ کوئی تاوان کیوں نہیں ڈالا؟ سلیم بن قیس نے کہا: میں نے عرض کی: نہیں (میں نہیں جانتا۔) مولا علی علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ قنفذ ہی وہ شخص ہے جس نے سیدۂ کونین علیہا السلام کو چھڑی سے مارا تھا جب آپ میرے اور ان لوگوں (یعنی کاشانۂ سیدۂ کونین علیہا السلام پہ حملہ کرنے والوں) کے بیچ حائل ہونے کے لیے تشریف لائی تھیں۔ پس آپ سلام اللہ تعالی علیہا کا وصال اس حال میں ہوا کہ اس چھڑی کا نشان آپ کے بازو مبارک پہ بازوبند کی مانند موجود تھا۔

(کتاب سلیم بن قیس ص223)

اس قصہ کا ذکر سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب میں اور بھی کئی مقامات پہ بھی موجود ہے لیکن ہم نے ازراہِ اختصار فقط انہی مقامات کے ذکر پر اکتفاء مناسب سمجھا۔

أقول بتوفيق الله سبحانه وتعالي وتوقيفه:

شیعہ حضرات کے ہاں اس کتاب کی اہمیت:

اس کتاب اور پھر اس کتاب میں درج اس قصہ کی حقیقت پر گفتگو سے پہلے شیعہ مذہب میں اس کتاب کی اہمیت سمجھنا ضروری ہے۔اس سلسلے میں چوتھی صدی ہجری کے شیعہ عالم ابن ابی زینب نعمانی متوفی 360ھ کی گفتگو ملاحظہ کیجیے۔لکھتے ہیں:

وليس بين جميع الشيعة ممن حمل العلم ورواه عن الأئمة (عليهم السلام) خلاف في أن كتاب سليم بن قيس الهلالي أصل من أكبر كتب الأصول التي رواها أهل العلم ومن حملة حديث أهل البيت (عليهم السلام) وأقدمها، لأن جميع ما اشتمل عليه هذا الأصل إنما هو عن رسول الله (صلى الله عليه وآله) وأمير المؤمنين والمقداد وسلمان الفارسي وأبي ذر ومن جرى مجراهم ممن شهد رسول الله (صلى الله عليه وآله) وأمير المؤمنين (عليه السلام) وسمع منهما، وهو من الأصول التي ترجع الشيعة إليها ويعول عليها

یعنی: جن شیعہ حضرات نے علم کو حاصل کیا اور اسے ائمہ کرام سے روایت کیا۔ان سبھی کے بیچ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ: سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب ان کتبِ اصول – جنہیں اہلِ علم نے روایت کیا – ان میں سے سب سے بڑی کتابوں اور اہلِ بیت علیہم السلام کی حدیث کی حامل کتب میں اصل اور ان سب میں قدیم ترین ہے۔کیونکہ وہ سب جس پہ یہ اصل مشتمل ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین مولا علی علیہ السلام، حضرت مقداد، سلمان فارسی، ابو ذر اور ان جیسی ہستیاں جو رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین مولا علی علیہ السلام کے دربار میں حاضر رہے اور ان سے سماعت کی۔۔۔ان سے مروی ہے۔اور یہ کتاب ان اصول سے ہے جن کی طرف شیعہ رجوع کرتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

(کتاب الغیبۃ للنعمانی 1/ 103)

آقا بزرگ طہرانی متوفی 1389ھ ابن ابی زینب نعمانی کی مذکورہ بالا گفتگو کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وروي عن أبي عبد الله الصادق عليه السلام أنه قال (من لم يكن عنده من شيعتنا ومحبينا كتاب سليم بن قيس الهلالي فليس عنده من أمرنا شئ ولا يعلم من أسبابنا شيئا وهو أبجد الشيعة وهو سر من أسرار آل محمد صلى الله عليه وآله

سیدنا ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ و محبین میں سے جس کے پاس سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب نہیں، اس کے پاس ہمارے معاملے میں سے کچھ بھی نہیں۔اور نہ ہی وہ ہمارے اسباب میں سے کچھ جانتا ہے۔یہ کتاب شیعہ کی ابجد (یعنی حروفِ تہجی کی مانند) ہے اور وہ آلِ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

(الذریعۃ 2/152)

آقا بزرگ طہرانی سے پہلے شیعہ کے خاتمۃ المحدثین الحاج میرزا حسین نوری متوفی 1320ھ مستدرک الوسائل میں سیدنا امام جعفر صادق کی جانب منسوب اس گفتگو کو ذکر کر چکے۔ لکھتے ہیں:

الشيخ عبد النبي الكاظمي في تكملة الرجال: نقلا عن خط المجلسي رحمه الله، قال: أقول: وجدت نسخة قديمة من كتاب سليم بروايتين بينهما اختلاف يسير، وكتب في آخر إحداهما: تم كتاب سليم بن قيس الهلالي - إلى أن قال - روي عن الصادق (عليه السلام)، أنه قال: " من لم يكن عنده من شيعتنا ومحبينا كتاب سليم بن قيس الهلالي، فليس عنده من أمرنا شئ، ولا يعلم من أسبابنا شيئا، وهو أبجد الشيعة، وسر من اسرار آل محمد (عليهم السلام) ".

شیخ عبد النبی کاظمی نے تکملۃ الرجال میں مجلسی کے خط سے نقل کرتے ہوئے کہا: میں کہتا ہوں: میں نے سلیم کی کتاب کا قدیم نسخہ دو روایتوں سے پایا جن کے بیچ معمولی اختلاف تھا۔ ان میں سے ایک کے آخر میں لکھا ہوا تھا: سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب مکمل ہوئی۔۔۔ یہاں تک کہ کہا: حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہمارے شیعہ و محبین میں سے جس کے پاس سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب نہیں، اس کے پاس ہماری کوئی بھی چیز نہیں۔ اور نہ ہی وہ ہمارے اسباب میں سے کچھ جانتا ہے۔ یہ کتاب شیعہ کی ابجد اور آلِ محمد ﷺ کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔

(مستدرک الوسائل للمیرزا النوری 17/ 298)

ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کی جانب منسوب یہ بات اس کتاب سے بڑھ کر بے اصل ہے۔ لیکن اس کو ذکر کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ: قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ حضراتِ شیعہ کے نزدیک اس کتاب کی اہمیت کتنی بڑی ہے اور حضراتِ شیعہ کے ہاں اس کتاب کو کس تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

من گھڑت قصہ کی حقیقت پر ایک نظر:

ایک ایسا مسئلہ جس پہ شیعہ مذہب کے ان گنت نظریات کی بنیاد کھڑی ہے۔ اس کی سند کو دیکھیے تو ساری عمارت دھڑام سے گر جاتی ہے۔ سب سے پہلے "ابان بن ابی عیاش" کو دیکھ لیجیے۔ اگر ہم ان کے بارے میں علمائے اہلسنت کی آراء پیش کریں گے تو اسے مذہبی تعصب کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابان بن ابی عیاش کے بارے میں ان علماء کی آراء ذکر کی جائیں جو حضرات شیعہ کے ہاں معتبر شخصیات ہیں۔

شیعہ کے شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی 460ھ کہتے ہیں:

أبان بن أبي عياش فيروز، تابعي، ضعيف.

یعنی ابان بن ابی عیاش تابعی ہیں، ضعیف ہیں۔

(رجال الطوسی ص 126)

ابو منصور حسن بن یوسف حلی متوفی726ھ کہتے ہیں:

تابعي ضعيف جدا

یعنی ابان بن ابی عیاش تابعی ہیں، شدید ضعیف ہیں۔

(خلاصۃ الاقوال ص325)

اس "ضعف" بلکہ "شدید ضعف" کا اندازہ کرنا ہو تو شیخ عبد الحسین امینی نجفی کی گفتگو ملاحظہ کیجیے۔ کہتے ہیں:

وهذا أبان بن أبي عياش رجل صالح كان من العباد وهو كذاب

(گو) یہ ابان بن ابی عیاش نیک شخص تھے۔ عابدین سے تھے۔ (لیکن) اس کے باوجود کذاب تھے۔

(الغدیر للامینی5/277)

کتابِ سلیم کا تنہا راوی:

یہ حالت اس شخص کی ہے جس کے بارے میں علمائے شیعہ خود کہتے ہیں کہ "زیرِ فلک سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب کا صرف ایک ہی راوی ہے اور وہ ہیں ابان بن ابی عیاش"

شیخ حسن بن یوسف الحلی متوفی726ھ سید علی بن احمد عقیقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

كان سليم بن قيس من أصحاب أمير المؤمنين (عليه السلام) طلبه الحجاج ليقتله، فهرب وآوى إلى أبان بن أبي عياش، فلما حضرته الوفاة قال لأبان: ان لك علي حقا وقد حضرني الموت يا بن أخي انه كان من الامر بعد رسول الله (صلى الله عليه وآله) كيت وكيت، وأعطاه كتابا، فلم يرو عن سليم بن قيس أحد من الناس سوى أبان بن أبي عياش

سلیم بن قیس امیر المؤمنین مولا علی علیہ السلام کے اصحاب سے تھے۔ انہیں حجاج نے طلب کیا تاکہ انہیں قتل کر ڈالے۔ پس وہ بھاگ گئے اور ابان بن ابی عیاش کے ہاں پناہ گزیں ہوئے۔ جب وفات کا وقت آیا تو ابان سے کہا: بھتیجے! تیرا مجھ پہ حق ہے اور میری موت کا وقت آ چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد ایسے ایسے معاملات ہوئے۔ (یہ کہہ کر) ابان بن ابی عیاش کو ایک کتاب دی۔ پس اس کتاب کو ابان بن ابی عیاش کے علاوہ کوئی شخص روایت نہیں کرتا۔

(خلاصۃ الاقوال ص162)

پوری کتاب کا راوی بھی صرف ایک۔ اور وہ بھی خود شیعہ علماء کی تصریح کے مطابق ضعیف اور کذاب۔ تو کیا ایک ضعیف اور کذاب راوی کی تنہا روایت پر ایسے نظریات کی بنیاد کھڑی کی جا سکتی ہے جس کے نتیجے میں رسول ﷺ کے عظیم صحابہ بلکہ خود قرآن و حدیث ہی کی بنیادیں مخدوش ہو کر رہ جائیں؟؟؟

من گھڑت کتاب:

احمد بن حسین غضائری کا تعلق پانچویں صدی ہجری سے ہے۔ ابان بن ابی عیاش کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ

ہو۔ لکھتے ہیں:

أبان بن أبي عيّاش، واسم أبي عيّاش : فيروز. تابعي، روى عن أنس بن مالك. وروى عن علي بن الحسين (عليهما السلام). ضعيف، لا يُلتفت إليه. وينسب أصحابنا وضع " كتاب سُلَيْم بن قيس " إليه

ابان بن ابی عیاش۔ اور ابو عیاش کا نام فیروز ہے۔ (ابان بن ابی عیاش) تابعی ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے روایت لی۔ امام علی زین العابدین بن امام حسین علیہما السلام سے روایت لی۔ (لیکن) ضعیف ہے، نا قابلِ التفات ہے۔ اور ہمارے اصحاب "سلیم بن قیس" کی کتاب گھڑنے کی نسبت انہی کی جانب کرتے ہیں۔

(الرجال لابن الغضائری ص36)

مذکورہ بالا قصہ کے راوی ابان بن ابی عیاش کو "ضعیف، نا قابلِ التفات" قرار دینا بھی اس قصہ کے مردود ہونے کے لیے کافی تھا۔ لیکن احمد بن حسین غضائری کے اگلے جملہ نے تو سلیم بن قیس ہلالی کی اصل کتاب ہی کے من گھڑت اور موضوع ہونے کی نشاندہی کر دی۔

اس ایک جملے سے سلیم بن قیس کی کتاب سے متعلق یہ پہلو بھی سامنے آگیا کہ خود شیعہ علماء کے ہاں بھی اس کتاب کا وجود مخدوش اور بعض حضرات کے نزدیک یہ کتاب سرے سے موضوع اور من گھڑت ہے۔ ابن داود حلی متوفی 740ھ کے ابان بن ابی عیاش کے بارے میں کہے گئے جملے بھی اسی بات کو تقویت دیتے ہیں۔ کہا:

ضعيف، قيل إنه وضع كتاب سليم بن قيس.

یعنی ابان بن ابی عیاش ضعیف ہیں۔ کہا گیا ہے کہ انہوں نے سلیم بن قیس کی کتاب گھڑی۔

(رجال ابن داوود الحلی ص226)

پھر ابنِ داود نے فقط اس ایک جملے پر اکتفاء نہیں کیا 20، 25 صفحات بعد سلیم بن قیس ہلالی کے ذکر میں لکھتے ہیں:

ينسب إليه الكتاب المشهور وهو موضوع بدليل أنه قال: إن محمد بن أبي بكر وعظ أباه عند موته. وقال فيه: إن الأئمة ثلاثة عشر مع زيد. وأسانيده مختلفة (غض): لم يرو عنه إلا أبان بن أبي عياش وفي الكتاب مناكير مشتهرة، وما أظنه إلا موضوعا.

کتابِ مشہور کی نسبت انہی سلیم بن قیس کی جانب کی جاتی ہے حالانکہ وہ کتاب (محض) گھڑی ہوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ: سلیم بن قیس نے کہا: محمد بن ابی بکر نے اپنے والدِ گرامی (سیدنا ابو بکر صدیق) کو ان کے وصال کے وقت نصیحت کی۔ اور اس میں کہا: ائمہ تیرہ ہیں۔ حضرت سیدنا زید سمیت۔ اور اس کی سندیں مختلف ہیں۔ (غضائری) اس کتاب کو سلیم بن

قیس سے ابان بن ابی عیاش کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ اور کتاب میں مشہور مناکیر ہیں اور میں اسے موضوع (و من گھڑت) ہی سمجھتا ہوں۔

(رجال ابن داوود الحلی ج2 ص249)

ایک ایسی کتاب جس کے بارے میں خود شیعہ علماء سمجھتے ہوں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ ابان بن ابی عیاش نے اپنی جانب سے گھڑ کر سلیم بن قیس کی جانب منسوب کر دی ہے۔ ایسی کتاب میں درج کسی جملے کو لے کر سابقین اولین، جن کی قرآنِ عظیم مدح فرماتا ہے، بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کو رضائے خداوندی کا سبب بتاتا ہے۔ کیا ایسی من گھڑت کتاب کو سامنے رکھ کر ایسی عظیم ہستیوں کی عدالت و عظمت کو چیلنج کرنا انصاف اور عقلمندی کہلا سکتا ہے؟

سلیم بن قیس غیر معروف:

اور بات فقط اتنی نہیں۔ بعض شیعہ حضرات نے تو خود "سلیم بن قیس" ہی کو غیر معروف شخص قرار دیا ہے۔ احمد بن حسین عضائری سلیم بن قیس ہلالی کے بارے میں کہتے ہیں:

سليم بن قيس الهلالي العامري، روى عن أمير المؤمنين والحسن والحسين وعلي بن الحسين، وينسب إليه هذا الكتاب المشهور. وكان أصحابنا يقولون: ان سليما لا يعرف ولا ذكر في خبر

سلیم بن قیس ہلالی عامری نے امیر المؤمنین مولا علی، امام حسن، امام حسین، امام زین العابدین سے روایات کیں۔ یہ مشہور کتاب انہی کی جانب منسوب ہے۔ اور ہمارے اصحاب کہا کرتے تھے کہ: سلیم غیر معروف ہیں۔ کسی خبر میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

(الرجال لابن العضائری ص63)

جب خود سلیم بن قیس ہی غیر معروف شخصیت ہیں تو ان کی بات پہ اعتماد کر کے سابقین اولین کی شخصیات کو کیسے موردِ الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

گو: احمد بن حسین عضائری نے "سلیم بن قیس" کی بابت اپنے اصحاب کے اس دعوی کی تردید بھی کی ہے اور انہیں ایک معروف راوی قرار دینے کی سعی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

وقد وجدت ذكره في مواضع من غير جهة كتابه ولا من رواية أبان بن أبي عياش عنه، وقد ذكر له ابن عقدة في رجال أمير المؤمنين (عليه السلام) أحاديث عنه.

میں نے سلیم بن قیس کا ذکر کئی جگہ پایا ہے۔ ان کی کتاب کی جہت سے ہٹ کر اور ابان بن ابی عیاش کی ان سے روایت کے علاوہ۔ ابن عقدہ نے "رجال امیر المؤمنین" میں ان سے کئی احادیث ذکر کی ہیں۔

(الرجال لابن العضائری ص63)

لیکن: منصف مزاج قارئین کو دعوتِ انصاف ضرور دینا چاہوں گا کہ: ایک ایسا شخص جو مولائے کائنات مولا علی کے اصحاب سے ہو۔۔۔سید شبابِ اہل الجنۃ سیدنا امام حسن، سید شباب اہل الجنۃ سیدنا امام حسین، سیدنا امام علی زین العابدین کے اصحاب سے ہو۔۔۔ جس کا شمار اسلام کے اولین مصنفین میں ہوتا ہو۔۔۔ جس کے ہاتھوں ایک ایسی تصنیف معرضِ وجود میں آئی ہو جسے "شیعہ ابجد" اور "سر من اسرارِ آلِ محمد ﷺ" قرار دیا جاتا ہو۔۔۔ اہلبیتِ نبوت کی خاطر جس شخص کی خدمات اس درجہ پہ پہنچیں کہ حجاج علیہ ما علیہ اس کے قتل کے در پے ہو گیا ہو۔۔۔

اتنا بڑا قد کاٹھ ہوتے ہوئے وہ شخص ایسا غیر معروف کہ: نہ کسی تاریخ کی کتاب میں اس کا ذکر ملتا ہے، نہ کسی حدیث کی کتاب میں۔۔۔ نہ جنگِ جمل میں کوئی پتا نہ جنگِ صفین میں کوئی خبر۔۔۔ نہ نہروان میں کوئی اطلاع نہ کربلاء میں اتا پتا۔۔۔ خود شیعہ علماء اسے غیر معروف اور غیر مذکور قرار دیں۔۔۔ ابن الغضائری اس کی جہالت مٹانے کی کوشش بھی کریں لیکن اس شخصیت کے مفروض قد کاٹھ کے لحاظ سے عُشرِ عَشِیر تک بھی نہ پہنچ پائیں۔۔۔ کیا یہ سب باتیں اس چیز کو تقویت نہیں دیتی کہ:

یا تو یہ شخص محض ایک خیالی اور فرضی شخصیت ہے۔ جسے وقت گزر جانے کے بعد مقاصد کی تکمیل کی خاطر فرض کیا گیا اور پھر اس کے نام پہ کتاب بھی گھڑ لی گئی۔

یا شخصیت تو حقیقی ہے لیکن اس کے بارے میں جو مفروضے قائم کیے گئے ہیں وہ سب کے سب صرف مفروضے ہی ہیں۔ اور بالخصوص مذکورہ بالا کتاب۔

اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ ایسی اہم ترین کتاب جو شیعہ کی ابجد اور آلِ محمد ﷺ کے اسرار میں سے ایک سر سمجھی جا رہی ہے۔۔۔ اس کتاب کا زیرِ فلک صرف اور صرف ایک ہی راوی ہے اور وہ بھی شیعہ علماء کی گواہی کے مطابق شدید ضعیف، کذاب، متہم بالوضع۔۔۔ ایسی صورت میں ہماری دوسری تجویز خاصی قابلِ قبول نظر آتی ہے۔

یہاں پر میرزا ابو الحسن شعرانی کا تبصرہ جو انہوں نے محمد بن صالح مازندرانی متوفی 1081ھ کی شرح اصولِ کافی کے حاشیہ میں سید علی بن احمد عقیقی کی مذکورہ بالا گفتگو پر کیا۔۔۔ اس کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔ لکھتے ہیں:

وقد ذكرنا في غير موضع أن التكلم في سليم بن قيس وأبان بن أبي عياش ينبغي أن يخصص بهذا الكتاب الموجود بأيدينا المعروف بكتاب سليم والحق أن هذا كتاب موضوع لغرض صحيح نظير كتاب الحسنية وطرائف ابن طاووس والرحلة المدرسية للبلاغي وأمثاله وأن واضعه جمع امورا مشهورة وغير مشهورة ولما لم يكن معصوما أورد فيه أشياء غير صحيحة. والظاهر أنه وضع في

أواخر دولة بني امية حين لم يجاوز عدد خلفاء الجور الاثني عشر إذ ورد فيه أن الغاصبين منهم اثنا عشر وبعدهم يرجع الحق إلى أهله مع أنهم زادوا ولم يرجع.

ہم ایک سے زائد جگہوں پر ذکر کر چکے کہ سلیم بن قیس اور ابان بن ابی عیاش کے بارے میں گفتگو اس کتاب کے ساتھ خاص رہنی چاہیے جو ہمارے سامنے موجود معروف بہ کتابِ سلیم ہے۔ اور حق یہ ہے کہ: درست غرض کی خاطر یہ کتاب گھڑی گئی۔ کتاب حسنیہ، طرائف ابنِ طاووس، بلاغی کی رحلہ مدرسیہ اور ان کی امثال کی مانند۔ اور یہ کہ: اس کو گھڑنے والے نے مشہور اور غیر مشہور امور کو جمع کیا۔ اور چونکہ معصوم نہیں تھا تو اس کتاب میں غیر صحیح امور ڈال دیئے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ: اس شخص نے اس کتاب کو بنو امیہ کی حکومت کے آخری دور میں گھڑا جب تک ظالم حکمران بارہ نہیں گزرے تھے۔ کیونکہ اس میں وارد ہے کہ ان میں سے بارہ غاصب ہوں گے اور ان کے بعد حق اہلِ حق کی جانب لوٹ آئے گا۔ حالانکہ وہ (بارہ سے) بڑھ گئے اور حق واپس نہیں لوٹا۔

(حاشیہ شرح اصولِ کافی 2/307)

اس کے ساتھ ہی شیخ محمد باقر بہبودی کے سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب پہ تبصرہ کا اقتباس ذکر کرنا چاہوں گا۔ موصوف نے اپنی کتاب معرفۃ الحدیث میں ص359 سے 364 تک اس کتاب کے مجموعہ اکاذیب واباطیل ہونے پہ سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ موصوف کی طویل گفتگو کا صرف ایک جملہ پیشِ خدمت ہے۔ کہتے ہیں:

ولكن الذي أعتقده بعد سَبْر الكتاب صدراً وذيلاً ونقده كلمةً كلمةً، أن الكتاب موضوعٌ وضعه أحد الغلاة على لسان سُليم بن قيس الهلالي ورواية ابن أَذِينَة عن أبان بن أبي عياش

لیکن – کتاب کے شروعات اور بعد کے معاملات کی چھان بین اور کتاب کے ایک ایک کلمہ کو پرکھنے کے بعد – میں جس کا اعتقاد رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ: کتاب گھڑی گئی ہے۔ غالیوں میں سے کسی شخص نے اسے سلیم بن قیس ہلالی کی زبان پہ ابنِ اذینہ کی ابان بن عیاش سے روایت کے ذریعے گھڑا ہے۔

(معرفۃ الحدیث ص363)

شیخ محمد باقر بہبودی نے اپنے تبصرہ کے دوران اس کتاب کو گھڑنے والے کے لیے زندیق اور خبیث جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ شیخ بہبودی کی مکمل گفتگو ان کی کتاب معرفۃ الحدیث میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ان گھر کی گواہیوں کے بعد بھی اگر شیعہ حضرات اس قسم کی کتابوں اور ان میں درج اکاذیب کو اپنا دین وایمان سمجھیں تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾ [البقرة: 256]

امرواجب اللحاظ:

یہاں اس بات کا ذکر انتہائی ضروری ہے کہ اگرچہ ابن الغضائری نے سلیم بن قیس سے جہالت رفع کرنے کی کوشش

کی اور اسے ایک معروف راوی قرار دیا۔ لیکن اس کے باوجود سلیم بن قیس کی کتاب کو موضوع و من گھڑت ہی قرار دیا اور اس کے موضوع و من گھڑت ہونے پر دلائل و شواہد بھی پیش کیے۔ لکھتے ہیں:

والكتاب موضوع لا مرية فيه، وعلى ذلك علامات تدل على ما ذكرنا: منها ما ذكر ان محمد بن أبي بكر وعظ أباه عند الموت۔ ومنها ان الأئمة ثلاثة عشر، وغير ذلك. وأسانيد هذا الكتاب تختلف تارة برواية عمر بن أذينة، عن إبراهيم بن عمر الصنعاني، عن أبان بن أبي عياش، عن سليم، وتارة يروي عن عمر عن ابان بلا واسطة.

اور کتاب من گھڑت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اور اس کے من گھڑت ہونے پر کئی علامات ہیں جو ہمارے دعوی پر دلالت کرتی ہیں: ان میں سے ایک وہ جو مصنف نے ذکر کیا کہ حضرت محمد بن ابی بکر نے اپنے والدِ گرامی (سیدنا) ابو بکر (صدیق) کو ان کے وصال کے وقت نصیحت کی۔ انہیں میں سے ایک یہ کہ: ائمہ تیرہ ہیں۔ وغیرہ۔ اور اس کتاب کی سندوں میں بھی اختلاف ہے۔ کبھی: "عمر بن اذینہ۔ ابراہیم بن عمر صنعانی۔ ابان بن ابی عیاش۔ سلیم" اس انداز سے روایت کی جاتی ہے۔ اور کبھی: "عمر بن اذینہ۔ ابان بن ابی عیاش۔" (ابراہیم بن عمر صنعانی کے) واسطہ کے بغیر (روایت کی جاتی ہے۔)

(الرجال لابن العضائری ص63،64)

تنبیہ:

بعض حضرات ابنِ عضائری کے بیان کردہ اختلافِ اسناد کو موجبِ اعتراض نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ راوی نے کوئی روایت اپنے شیخ کے تلمیذ سے سنی ہو اور بعد ازاں شیخ سے بھی سن لی ہو۔ پس جب تک خود شیخ سے نہیں سنی تب تک شیخ کے تلمیذ کے واسطہ سے روایت کرتا رہا۔ پھر جب خود شیخ سے سن لی تو اب بلا واسطہ روایت شروع کر دی۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی معاملہ عمر بن اذینہ کے ساتھ ہوا ہو۔ اور محدثین ورواتِ اخبار وآثار کے ہاں ایسا ممکن بلکہ واقع ہے۔ پھر ابنِ عضائری کا اس کو لے کر سلیم بن قیس کی کتاب پر اعتراض کرنے کا کیا مطلب؟

تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ: اس کتاب کے سلیم بن قیس سے ابان بن ابی عیاش پھر ابان بن ابی عیاش سے عمر بن اذینہ کے پاس پہنچنے کا قصہ سامنے ہو تو ابنِ عضائری کا اعتراض بلکہ درست معلوم ہوتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ: شیعہ کتب کی تصریحات کے مطابق سلیم بن قیس نے اپنی موت کے وقت یہ کتاب ابان بن ابی عیاش کے حوالے کی۔ اور اسے چھپا کر رکھنے کی تاکید کی اور یہ بھی وصیت کی کہ جب تجھے کچھ ہو جائے تو شیعانِ مولائے کائنات مولا علی مشکل کشا علیہ السلام میں سے کسی کے حوالے کر کے جانا۔ پھر جب ابان بن ابی عیاش کی موت کا وقت قریب آیا تو صرف ایک ماہ پہلے ابان بن ابی عیاش نے یہ کتاب حسبِ وصیت عمر بن اذینہ کے حوالے کی۔

اس سے پہلے یا اس کے بعد۔ ابان بن ابی عیاش نے یہ کتاب کسی کے حوالے کی ہی نہیں۔ پھر عمر بن اذینہ کی ابان بن ابی عیاش سے روایت میں اختلاف کیسے ہو سکتا ہے کہ کبھی بلا واسطہ روایت کریں اور کبھی بالواسطہ ؟؟؟

سلیم بن قیس کی کتاب کی ابتداء میں مذکور یہ قصہ ملاحظہ ہو:

قال عمر بن أذينة: دعاني أبان بن أبي عياش قبل موته بنحو شهر فقال لي: رأيت البارحة رؤيا، أني خليق أن أموت سريعا. إني رأيتك الغداة ففرحت بك. إني رأيت الليلة سليم بن قيس الهلالي فقال لي: (يا أبان، إنك ميت في أيامك هذه. فاتق الله في وديعتي ولا تضيعها، وف لي بما ضمنت من كتمانها. ولا تضعها إلا عند رجل من شيعة علي بن أبي طالب صلوات الله عليه له دين وحسب). فلما بصرت بك الغداة فرحت برؤيتك وذكرت رؤياي سليم بن قيس.

عمر بن اذینہ نے کہا: ابان بن ابی عیاش نے اپنی موت سے تقریبا ایک ماہ پہلے مجھے بلایا اور مجھے کہا: گزشتہ رات میں نے ایک خواب دیکھا اور مجھے اب جلد مر جانا ہے۔ آج صبح میں نے تجھے دیکھا تو تجھے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ آج رات میں نے سلیم بن قیس ہلالی کو دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: اے ابان! تم اپنے انہی دنوں میں مرنے والے ہو۔ تو میری امانت کے معاملے میں اللہ سبحانہ وتعالی سے ڈرو اور اسے ضائع مت کرو۔ اور اس کو چھپانے کی جو ضمانت تم نے لی تھی اس کو پورا کرو اور اسے شیعانِ مولائے کائنات علیہ السلام میں سے کسی ایسے شخص کے پاس رکھو جو صاحبِ دین وحسب ہو۔ تو جب صبح کو میں نے تجھے دیکھا تو مجھے خوشی ہوئی اور مجھے سلیم بن قیس والا خواب یاد آگیا۔

(کتاب سلیم بن قیس ص124)

کتابِ مذکور کی بابت اس قصہ کے ملاحظہ کے بعد ابنِ غضائری کا اعتراض بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ابان بن ابی عیاش نے سلیم بن قیس کی یہ کتاب دنیا کے صرف ایک ہی فرد کے حوالے کی جس کا نام عمر بن اذینہ ہے۔ پھر عمر بن اذینہ کی انہی ابان بن ابی عیاش سے کبھی بالواسطہ روایت اور کبھی بلا واسطہ روایت کیسے درست ہو سکتی ہے ؟

شیخ حسن کی گفتگو پہ شہید ثانی کا تبصرہ:

احمد بن حسین غضائری کی مذکورہ بالا گفتگو کو شیخ حسن بن یوسف الحلی متوفی726ھ نے بھی نقل کیا اور بعد از نقل کہا:

والوجه عندي الحكم بتعديل المشار إليه، والتوقف في الفاسد من كتابه

یعنی میرے نزدیک حکم: مشار الیہ (یعنی سلیم بن قیس ہلالی) کی تعدیل اور ان کی کتاب میں سے فاسد کی بابت توقف ہے۔

(خلاصۃ الاقوال ص163)

اربابِ انصاف بخوبی جانتے ہیں کہ شیخ حسن بن یوسف حلی کا بیان کردہ حکم محض مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے۔ لیکن ہم اس کا فیصلہ بھی خود کرنے کے بجائے قارئین کے سامنے شیعہ عالم شیخ زین الدین بن علی عاملی معروف بہ شہید ثانی متوفی

965ھ کا فیصلہ رکھنا چاہیں گے۔ خلاصۃ الاقوال کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

في الطريق إبراهيم بن عمر الصنعاني وأبان بن عياش وقد طعن فيهما ابن الغضائري وضعفهما

اس کتاب کے طریق میں "ابراہیم بن عمر صنعانی" اور "ابان بن ابی عیاش" ہیں۔ ان دونوں پر ہی ابن الغضائری نے طعن کیا اور ان دونوں کو ضعیف قرار دیا۔

(حاشیۃ الشہید الثانی علی خلاصۃ الاقوال ص144)

بعد ازاں شیخ حسن بن یوسف حلی کے بیان کردہ فیصلہ کے ناحق ہونے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا وجه للتوقّف في الفاسد ، بل في الكتاب ، لضعف سنده على ما رأيت وعلى التنزل كان ينبغي أن يقال : ورد الفاسد منه والتوقف في غيره وأمّا حكمه بتعديله فلا يظهر له وجه أصلا ، ولا وافقه عليه غيره

اس کتاب کے (محض) فاسد میں توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ خود کتاب میں ہی توقف ہے کیونکہ اس کی سند ضعیف ہے۔ جیسا تم دیکھ چکے۔ اور بر تقدیرِ تنزل: یوں کہنا چاہیے تھا: اس کتاب کے فاسد کو رد کرنا اور اس کے غیر فاسد میں توقف۔

(حاشیۃ الشہید الثانی علی خلاصۃ الاقوال ص144)

حاصلِ گفتگو:

سطورِ بالا میں ہم نے سلیم بن قیس کی کتاب کی بابت کوئی بات کتبِ اہلسنت کے حوالے سے ذکر نہیں کی تا کہ اسے مذہبی تعصب نہ گردانا جائے۔ علمائے شیعہ کی اپنی آراء کے مطابق مذکورہ کتاب اور اس کے فرضی مصنف کے بارے میں چند امور بالکل واضح ہو چکے ہیں:

(1): سلیم بن قیس ہلالی ایک غیر معروف شخصیت ہیں۔ بلکہ ان کا خود وجود ہی مشکوک ہے۔

(2): سلیم بن قیس کی کتاب کا دنیا بھر میں صرف اور صرف ایک ہی راوی ہے جو شدید ضعیف بلکہ کذاب ہے۔

(3): یہ کتاب ان کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ بعد والوں میں سے کسی نے گھڑ کر اس کی نسبت سلیم بن قیس کی جانب کر دی ہے۔

(4): اس کتاب کے کئی مندرجات عقل و دانش کے تقاضوں، زمینی حقائق اور خود شیعہ نظریات سے متصادم ہیں۔ جیسے: ائمہ کی تعداد کا تیرہ ہونا۔ ائمہ جور کی تعداد کا بارہ ہونا۔ حالانکہ شیعہ کی نظر میں ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے۔ حضرت محمد بن ابی بکر کو تاجدارِ صداقت سیدنا ابو بکر صدیق کے وصال کے وقت پختہ عقل والوں جیسا دکھایا جانا۔ حالانکہ اس وقت محمد بن ابی بکر کی عمر صرف تین سال بنتی ہے۔

تنبیہ:

ہم نے ازراہِ اختصار صرف انہی امور کی نشاندہی کی ہے جنہیں اکابر شیعہ علماء نے بیان کیا۔ ورنہ اس کتاب کے

اکاذیب کی فہرست انتہائی طویل ہے۔ بطورِ مثال: حضرت معاذ بن جبل کو سیدنا ابو بکر صدیق کے اولین بیعت کرنے والوں میں ذکر کرنا۔ صفحہ144 پہ کہا:

وكان أول من بايعه المغيرة بن شعبة ثم بشير بن سعيد ثم أبو عبيدة الجراح ثم عمر بن الخطاب ثم سالم مولى أبي حذيفة ومعاذ بن جبل.

حضرت ابو بکر صدیق کی سب سے پہلے بیعت کرنے والے مغیرہ بن شعبہ پھر بشیر بن سعد پھر ابو عبیدہ بن جراح پھر سیدنا عمر بن خطاب پھر سالم مولی ابی حذیفہ اور حضرت معاذ بن جبل تھے۔

(کتاب سلیم بن قیس ص144)

ان جملوں کا جھوٹ بھی محتاجِ بیان نہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور حضرت ابو بکر صدیق کی بیعت کا معاملہ وقوع پذیر ہوا اس وقت حضرت معاذ بن جبل مدینہ مشرفہ میں موجود ہی نہیں تھے۔

الحاصل:

وہ کتاب جو اس قسم کے اکاذیب کے اولین ماٰخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس کی حالت خود علمائے شیعہ کی زبانی ایسی ہے کہ اس سے انتہائی معمولی حکم پر بھی استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ ایک ایسا مسئلہ جس پر شیعہ حضرات کے بیشتر نظریات کی بنیادیں قائم ہوں اور دوسری جانب سابقین اولین حضرات شیخینِ کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کی عدالت پہ قدغن لگتی ہو۔ بلکہ پوری شریعت پر داغ آتا ہو۔ کیا ایسے اہم وحساس موضوع پہ ایسی مخدوش کتاب کی مخدوش روایات کی کوئی حیثیت ہو سکتی ہے؟

متنِ قصہ:

مذکورہ بالا گفتگو اس قصہ کی سند کے لحاظ سے ہے۔ جب اس قصہ کے متن کی بات کی جائے تو معمولی عقل کا حامل شخص بھی۔ بشرطیکہ مذہبی تعصب کی بنیاد پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ نہ کہتا ہو برملا اس قصہ کے سراسر جھوٹ ہونے کی گواہی دے گا۔ حتی کہ خود شیعہ کے بعض علماء نے اس قصہ کے بعض مضامین کو لے کر اسے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

حضراتِ شیعہ کے ہاں "امام، مجاہد" سمجھے جانے والے فقیہِ کبیر شیخ محمد حسین کاشف الغطاء متوفی 1373ھ لکھتے ہیں:

ولكن قضية ضرب الزهراء ، ولطم خدها : مما لا يكاد يقبله وجداني ، ويتقبله عقلي ، وتقتنع به مشاعري ، لا لأن القوم يتحرجون ويتورعون من هذه الجرأة العظيمة ، بل لأن السجايا العربية ، والتقاليد الجاهلية ، التي ركزتها الشريعة الإسلامية ، وزادتها تأييداً ، وتأكيداً : تمنع بشدة ضرب المرأة ، أو تمد إليها يد سوء ، حتى إن بعض كلمات أمير المؤمنيين ما معناه : أن الرجل كان في الجاهلية إذا ضرب المرأة يبقى ذلك عاراً في أعقابه ونسله .... .

لیکن سیدۂ کونین کو مارنے اور آپ علیہا السلام کے رخِ انور پہ تھپڑ لگانے کا قضیہ ان امور سے ہے جسے میرا وجدان قبول کرنے، میری عقل تسلیم کرنے اور میرے احساسات اسے ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ قوم (یعنی رسول

Email: darulifta.jhka@gmail.com WhatsApp: +923335693777 facebook.com/Darulifta.JHKA youtube.com/@haiderekararTv

اللہ ﷺ کے صحابہِ کرام) اس میں کسی طرح کی کوئی حرج جانتے تھے اور اس عظیم جرات سے بچنا چاہتے تھے۔ بلکہ اس لیے کہ: عربی طبیعتیں اور دورِ جاہلیت کی ریتیں۔ جنہیں شریعتِ اسلامیہ نے پکا کیا اور ان کی تائید و تاکید میں اضافہ کیا عورت کو مارنے اور اس کی جانب دستِ بد بڑھانے کو شدت سے روکتی ہیں۔ حتی کہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بعض کلمات کے معنی کچھ اس طرح ہیں: دورِ جاہلیت میں جب کوئی شخص عورت کو مارتا تھا تو یہ بات اس مارنے والے شخص کے پسماندگان اور اس کی نسل کے لیے عار بن جاتی تھی۔

(جنۃ الماوی ص63)

یہ زیادتی اپنی جگہ کہ حضراتِ شیعہ کا امام و مجاہد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی جانب سے دورِ جاہلیت کے ریت و رواج کی خلاف ورزی کو تو قبول نہیں کر رہا، لیکن انہی ہستیوں سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی خلاف ورزی اور پائمالی کو اپنا دین سمجھتا ہے۔فالی اللہ المشتکی

لیکن ان جملوں سے کم از کم یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ: حضراتِ شیعہ کے ہاں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کی عقل و دانش اس جھوٹے قصے کو ماننے سے انکاری ہے۔

عرضِ جواب کی خاطر ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ چند جملے پیش کیے تاکہ سادہ لوح سنی حضرات کو ان اکاذیب کی حقیقت سمجھنے میں آسانی ہو۔ مزید تفصیل کے لیے کتب عقائد کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ہذا ما عندی واللہ عز اسمہ اعلم

انا العبد الفقیر الی مولای الغنی

ابو اریب محمد چمن زمان نجم القادری

دار الافتاء جماعت حیدرِ کرار اہلِسنت

18-01-2023